

سلسلہ اشاعت ماریشن لکھنؤ ۱۴۳۵ھ



از

عالی جناب مولانا سید سعید اختر صاحب قلم رضوی دام مجید

فخر الافاضل فاضل مشرقیات

مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ

قیمت

تعارف

محترمی جناب مولانا سید سعید اختر صاحب
قبلہ کا یہ گران قدر مقالہ اس سے قبل موقر
جریدہ سرفراز موزعہ ۲ اگست ۱۹۵۳ء میں
شائع ہو چکا ہے اور اس سال ہم اس کی کثیر
نشر و اشاعت کے پیش نظر اپنے سال رواں
کے لٹریچر میں شامل کر کے بصورت رسالہ شائع
کر رہے ہیں۔

یقین ہے کہ افراد ملت اس رسالہ کی بھی کثیر
سے کثیر تعداد برادران وطن میں تقسیم
فرما کر عند اللہ وعند الرسول مایہوں گے
الداعی الی الخیر

سید ابن حسین نقوی عفی عنہ

آنریری سکریٹری امانیہ مشن، لکھنؤ ۳

محرم ۱۳۸۵ھ

اشعریت

۱

اہل سنت جس طرح فروعی احکام کے اختلاف کی وجہ سے حنفی شافعی، مالکی، حنبلی اور اہلحدیث پانچ فرقوں میں بٹ گئے ہیں اسی طرح اصولی مسائل میں ان کے دو بڑے گروہ ہیں (۱) معتزلہ اور (۲) اشاعرہ معتزلہ اب ختم ہو چکے ہیں یا اگر کہیں ہوں گے تو بہت ہی کم۔ ہمارے زمانہ میں تقریباً تمام اہل سنت اصولی عقائد میں اشعریت کے پیرو ہیں۔ اور ان کو اشاعرہ کہتے ہیں کیونکہ ان کے عقائد کا اخذ شیخ ابی الحسن اشعری کیا۔ یہ بزرگ تیسری صدی میں گزرے ہیں ولادت سن ۲۶۰ ق ۳۲۰ھ اور انھوں نے اپنے عقائد کی تفکیک میں قرآن و حدیث سے زیادہ معتزلی عقائد کی مخالفت سے کام لیا ہے اس مختصر مقالے میں انھیں کے چند نظریات کو درجہ طور سے پیش کر دینا مقصود ہے۔ تفصیل تائید یا تردید کا بار دماغ پر چھوڑ دیتا ہوں۔

اگر بالکل غیر جانب دارانہ نگاہ سے ان اصول کو دیکھا جائے تو یہ محسوس ہوگا کہ ان عقائد کی بنیادیں چیزوں پر قائم ہے۔

(۱) کائنات میں باہم رابطہ علت و معلول کے وجود سے انکار۔

(ب) اور اکات عقل کی بے اعتباری۔

رج (ج) محسوسات کی تکذیب اور معتزلہ کی مخالفت مدلیجے اس امر پر غور کریں کہ اصول کے اعتبار کرنے کا سبب کیا تھا اور اس سے کیا نکل کھلے۔

رائف (الف) کائنات میں ہم رابطہ علت معلول کے وجود سے انکار :-

ابتداءے آفرینش سے عقلاً اس دنیا کو عالم اسباب سمجھتے آئے ہیں۔ یعنی خدا نے

یہاں ایک ایسا نظام علل و معلولات قائم کر دیا ہے کہ کوئی شے اپنی علت امر کے

بغیر پیدا ہو سکتی اور علت امر کے پائے جانے پر معلوم کا پیدا ہونا ضروری ہے

بالفاظ دیگر علت نامہ اور معلول آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک

وجود دوسرے کے وجود کی شہادت دیتا ہے۔ اسی لزوم کو تسلیم کر کے ہم مخلوقات کو

دیکھ کر خالق کو پہچانتے ہیں اور مصنوعات کے وجود سے صانع کے وجود پر استدلال

کرتے ہیں۔ اسی رابطہ کے سہارے انسانی و مادی اختراعات و ایجادات کے میدان

میں جولانیاں کرتا ہے اور سائنس کی تمام ترقیاں اسی سلمہ کی بنیاد پر قائم ہیں کہ ہر علت نامہ

مکنا بنے معلولات کے وجود و عدم میں موثر ہے۔ المختصر اشیائے عالم میں باہم علت و

معلول کے رابطہ کا پایا جانا ہر زمانے میں سہل رہا ہے فرق صرف یہ ہے کہ ظالم سفر اور

سائنس دان آریہ اور دہریہ اس رابطہ کو کسی حال میں قابل تغیر نہیں سمجھتے اور دوسرے

اہل مذہب اس کے قابل ہیں کہ جس خدا نے ان چیزوں میں یہ تاثریں شیطانی ہیں وہی غوا

شرط ضرورت و محلت کسی شے کی تصدیق کے لئے ان علتوں سے تاثر کو سلب بھی کر سکتا

ہے اور دوسری چیزوں میں دیکھا ہی تاثر پیدا کر سکتا ہے اور اس کا کوئی جزوہ کہتے ہیں لیکن

یہ حضرات ہمارے موضوع بیان سے قطعاً بغیر متعلق ہے کیونکہ ان کا دہریہ ایک مانتا ہے

کہ فی اکمال ان چیزوں میں کچھ تاثیر قطعی طور پر موجود نہیں اور علتیں اپنے معلول کے وجود و عدم میں فی اکمال قطعاً موثر ہیں۔

پہلا عقیدہ مگر شیخ اشعری یہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی کسی چیز میں خدا نے کوئی تاثیر نہیں رکھی اور ہمت ہی نہیں کی ہے یہاں کوئی شے کسی دوسری شے کی علت ہی نہیں ہے۔ محض اتفاق ہے کہ ایک شے کے پلنے پر دوسری شے پیدا ہو جاتی ہے اور نہ ان دونوں میں نہ کوئی لگاؤ ہے نہ لزوم ہے اور نہ اتفاقی یکجائی کے علاوہ کوئی نسبت یا علاقہ ہے تم جس کو علت نامہ کہتے ہو وہ دراصل علت ہی نہیں ہے اور نہ معلول اس کا معلول ہے خود شیخ مذکور کے الفاظ یہ ہیں۔

لا علاقة بوجوب الرجوع بين الكماث المتعاقبة الا بالجرأ والعادة فيكون مصاحبة امر بن عادة مساو قتر بوقر عطفاً۔

اگر دو حوادث ہمیشہ پے درپے ہوتے ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان میں کسی قسم کا بھی کوئی علاقہ یا رابطہ ہے بلکہ سمجھنا چاہیے کہ خدا کی یہ عادت ہے کہ جب پہلے امر کو پیدا کرے تو دوسرے کو بھی پیدا کر دے۔

یہ الفاظ دیگر نیز یہ دنیا عالم اسباب ہے نہ یہاں کوئی نظام یا رابطہ ہے بلکہ یہ سارا کارخانہ اتفاقات پر چل رہا ہے۔

صاحب البطلان الباطل نے اپنے مرشد کے قول کی مزید توضیح یوں فرمائی ہے کہ پانی سے کے بعد سیرابی اور آگ میں گر پڑنے کے بعد جل جانا، پانی یا آگ کی تاثیر نہیں بلکہ یہ محض اتفاق و عادت ہے کہ جس وقت خدا اس ہمارا ہاتھ آگ میں لے جاتا ہے اس وقت اس میں سوزش اور جلن پیدا کر دیتا ہے۔

اب حسب قرار داد ہیں غور کرنا ہے کہ اس عجیب و غریب نظریہ کی ضرورت
کیوں محسوس ہوئی۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ شیخ اشعری مہسری صدی کا میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ زمانہ عباسی
کی سلطنت کا تھا۔ رسالہ کتاب کے مقالہ کے بعد سے ہر سربراہ کو اسے حکومت و بدستاری خدا
سے ہی ہوتا تھا و یا است کا مذہب سنی تھا اور سلطان وقت کو لیبر و سفیت نہیں ہوتا تھا
بلکہ وہ ایک تقدس آجائیت کا مالک ہوتا تھا اور اسے رسول کا جانشین سمجھا جاتا تھا۔
لیکن آپ نے سنا ہوگا کہ تیمور کے دربار میں کسی نے ثابت کر دیا تھا کہ دولت اندھی ہوئی ہے
وہ اہل اور نااہل میں کم امتیاز کرتی ہے چنانچہ راستیاً چند ایہ تمام خلفاء و خلافتی جہتی میں مبتلا تھے
ان کی زندگی عیش و عشرت کا دلغریب مرقع تھا۔ انہوں نے شراب و رباب، رقص و سرود اور
دلیان شوخ و تنگ کی ہم نشینی کو اپنا شعار بنا لیا تھا اگر لوگ صرٹ دنیاوی سلطنت
کے مدعی ہوتے تو چنداں مضائقہ نہیں تھا۔ لیکن خلافت رسول کی عبادت پر رکھ کر ایسی
حرکتیں، دین رسول کے مخالف اور احکام رسول کی صریح خلاف ورزی و اعوام کی نگاہوں میں
یہ باتیں کھٹکتی رہتی تھیں خصوصاً جب وہ یہ دیکھتے تھے کہ مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ ایسے
خدا کو اپنا امام سمجھتا ہے جن کے دامن طہارت پر کسی جس کا شائبہ تک نہیں تھا اور ان کے
کھڑے کر دیا تھا لیکن ان میں کسی قسم کی برائی ڈھونڈ نہ سکا نے سے قاصر رہتے ہیں اور گویا عملاً
ان کی عصمت کا اقرار کرتے ہیں۔

یہ وہ وقت تھا جب حکومت نے مذہب سے مدد حاصل کرنے کی
دوسرا عقیدہ ضرورت محسوس کی۔ اب تک حکومت آہی نے تسنن
کو پھیلا دیا تھا اب احسان کی جزا کا ہنگام آگیا تھا۔ اندلسن نے سلاطین کی وقعت

عزت کو بچانے پر کمر باندھ لی۔ اور علمائے عوام کو یہ باور کرانا شروع کیا کہ بندے کے افعال کی
 ذمہ داری قطعی طور سے خدا پر ہے بندے کو اس میں کوئی دخل ہی نہیں ہے کیونکہ جو کچھ کرتا ہے
 خدا ہی کرتا ہے۔ شیخ شری سے بہت پہلے یہ نظریہ عوام میں مقبول ہو چکا تھا لیکن ظاہر ہے کہ
 اس نظر پر کو اس وقت تک عقیدہ ثابت کرنا دشوار تھا جب تک لوگ دنیا کو سلسلہ علل معلولہ کا
 پابند سمجھتے رہتے۔ صرف افعال عبادت مطلق یہ گناہ خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور دنیا کی
 ہر شے کو اپنے اسباب ظاہرہ کا معلول تسلیم کرتے رہنا تضاد کی ایک حیرت انگیز مثال ہوتا ہے
 وہ حساس تھا جس نے شیخ شری کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ صرف بندے ہی اپنے افعال پر مجبور
 نہیں ہیں بلکہ دنیا کی کوئی بھی چیز کسی دوسرے چیز کی علت نہیں ہے۔ یہاں بظاہر جو رابطہ
 علت و معلول نظر آتا ہے وہ ایک اتفاق و عادت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ یہ شیخ مذکور کا
 احسان ہے کہ انہوں نے عقیدہ سابق کے تضاد کو ختم کر دیا اور خدا کو افعال عباد کا ذمہ دار
 گردانے میں مزید سہولت پیدا کر دی۔

تیسرا عقیدہ یہ تو پہلا فائدہ اور پہلی غرض تھی ممکنات کے عادت ہونے سے
 انکار کی دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ رویت الہی کے اثبات کا دوسرا ختم
 ہو گیا۔ اس جہاں کی تفصیل یہ ہے کہ جسم فرقی کے نتیجے میں عام المہنت بھی اس کے
 قائل ہیں اور جتنے کہ خدا کا زید ارہو کا اور مومنین اسے دیکھ کر سچا ہی لیں گے۔
 زحمت یہ آج پڑی تھی کہ جسم، التو خدا کو جسم ماننے سے اس لئے وہ یطہیان
 امکان دیدار کا دعویٰ کرتے تھے لیکن عام المہنت اسے جسم و جسمانیات سے
 منسرد بھی کہتے تھے اور امکان بالکہ وقوع۔ ویت کے بھی قائل تھے۔ اس
 بنا پر شیوہ یہ اعتراض جڑ دیتے تھے کہ رویت کے لئے تو حسب ذیل شرطیں

ازم ہیں :-

- (۱) دیکھنے والی قوت باصرہ کا صحیح و سالم ہونا۔ (۲) دیکھنے جانے والے کا آمنے سامنے ہونا (۳) دونوں کا بہت قریب نہ ہونا (۴) دونوں کا بہت دور نہ ہونا (۵) دونوں کے درمیان کسی حجاب کا حامل نہ ہونا (۶) دیکھنے جانے والے کا ہوا کی طرح شفاف نہ ہونا بلکہ کثیف ہونا (۷) اس پر روشنی کا پڑنا (۸) دیکھنے کا ارادہ بھی ہونا۔

ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہو تو رویت محال ہے جہ جائیکہ غیر جسمانی خدا کے لئے تو چھ شرطیں مفقود ہیں لہذا رویت باری تعالیٰ کیونکر ممکن ہو سکتی ہے ؟

لیکن شیخ اشعری نے اپنے مذکورہ بالا نظریہ کی بنا پر یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ شرطیں رویت کی علت ہی کب ہیں یہ تو محض اتفاق ہے کہ جب خدا ان چیزوں کو مجتمع کر دیتا ہے اسی وقت رویت کو بھی پیدا کر دیتا ہے۔ ورنہ یہ چیزیں رویت کی شرط یا علت نہیں ہیں کیونکہ کائنات میں کوئی چیز دوسری چیز کی علت نہیں ہے (اشاعرہ کو اس امر میں آنا غلو ہے کہ وہ ذائقہ اور بو کو بھی قابل رویت سمجھتے ہیں) اس کے علاوہ شیخ اشعری کا یہ عقلی استدلال، بے حد عجیب اور موصوف کی قوت داغی کا آمنہ دار ہے۔ استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ :-

ا۔ جو ہر اور عرض نہ دونوں قابل رویت ہیں۔

ب۔ ان دونوں میں موجود ہونے اور حادث ہونے کے علاوہ کوئی امر مشترک

نہیں ہے جو رویت کی علت مشترک بن سکے۔

لہ جو ہر وہ جسے جو اپنے وجود خارجی میں کسی موضوع میں یا اسے جاننے کی محتاج نہ ہو البقیہ حاشیہ

اس کے علاوہ رویت کے لئے اس شرط پر بھی غور کرنا چاہیے کہ شیخ اشعری نے اسے کیوں نہیں لیا ؟

ج. حادث ہونا ایک امر عادی ہے لہذا اس میں علت بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

دہلنا معلوم ہوا کہ وجود ہی قابل رویت ہونے کا سبب اور علت ہے۔

ج. اور وجود واجب الوجود (خدا) اور ممکن الوجود (کائنات) دونوں

میں مشترک ہے۔

لہذا جس طرح تمام ممکن الوجود قابل رویت ہیں اسی طرح واجب الوجود یعنی

باری تعالیٰ بھی قابل رویت ہوگا۔ حالانکہ اصلیت یہ ہے کہ:-

۱. جوہر کو آج تک کسی نے دیکھا ہی نہیں (اور نہ اس کا دیکھنا ممکن ہے

غیر مادی جوہر مثلاً روح یا نفس: ناطقہ کا ذکر تو چھوڑیے۔ مادی جوہر میں بھی ہم اس

جوہر کے رنگ اس کی مقدار اور ہیئت کے علاوہ اور کچھ دیکھتے ہی نہیں اور یہ

تمام چیزیں عرض ہیں۔ علاوہ بریں ہم ہر عرض کو بھی نہیں دیکھ سکتے۔ مزہ اور

بوکر کس نے دیکھا؟

ب. وجود اور حدود کے علاوہ رویت کے لئے کچھ اور بھی شرطیں ہیں

جنہیں اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

ج. حدود (یعنی مودوم ہونے کے بعد موجود ہونا) عدمی چیز کیونکر ہو سکتا ہے؟

(بقیہ حاشیہ از ص ۸)

جیسے جسم یا نفس ناطقہ۔

۳۔ عرض وہ ہے جو اپنے وجود خارجی میں کسی موضوع میں پائے جانے کی محتاج ہو جیسے

رنگ یا بو یا مزا کہ یہ چیزیں ہمیشہ کسی جوہر میں پائی جائیں الگ الگ ہو کر نہیں پائی جاسکتیں

یہ تو وجود کا شے ہے۔

د۔ وجود واجب الوجود اور ممکن الوجود میں مشترک ہرگز نہیں ہے
اور اس کا اعتراض خود شیخ اشعری نے دوسرے مقامات پر کیا ہے۔
لہذا اشعری دلیل کے تمام مقدمات عقلاً ناقابل تسلیم اور پوری دلیل
بالکل لالچینی ہے۔

یہ تو اس دلیل (یا سفسطہ) کا حال تھا مگر تضاد کا یہ حیرت انگیز کرشمہ
قابل دید ہے کہ شیخ اشعری جن کے اصول و نظریات کی بنیاد ہی اس عالم میں
رابطہ علت و معلول کے انکار پر قائم ہے وہ "وجود کو قابل ردیت ہونے
کی علت قرار دے رہے ہیں" اور بخیر بون بویہم باید سیم و باید ہی المؤمنین
کے مصداق بن رہے ہیں۔

ب) اور اکات عقل کی بے اعتباری:-

محکمات کو علت نہ ماننے کے بعد لازمی طور سے یہ عقیدہ
جو تھا عقیدہ اختیار کرنا پڑا کہ صحیح استدلال کے باوجود صحیح نتیجہ پر پہنچنا
ضروری نہیں ہے، کیونکہ دلیل نتیجہ کی علت نہیں بن سکتی یعنی یہ ممکن ہے
کہ ہم یہ دو مقدمات قائم کریں کہ:-

۱۔ اس وقت آفتاب نکلا ہے۔
ب۔ جب آفتاب نکلا تو قرون ہوتا ہے۔
اور اس سے یہ نتیجہ برآمد ہو کر:-

نتیجہ:- انگوٹھ کٹے ہیں۔ یا اس وقت اندھیری رات ہے طرہ یہ کہ شاعر اپنے
مذہب کی حقانیت کے لئے ولائیں پیش کرنے کی زحمت بھی گوارہ نہیں فرماتے ہیں اور

دلائل سے برآمد شدہ نتیجہ کو اصولاً ناقابل توجہ بھی فرما رہے ہیں

بسبب عقل و حیرت کو اس چہ بابا بھی است

عقل کو اس طرح معطل کر دینے کے بعد یہ کیونکر ممکن تھا کہ اشیاء
پانچواں عقیدہ اس کے حسن و قبح کے پرکھنے کا حق عقل کو دیا جاتا اس لئے یہ بھی ماننا
 پڑے گا کہ اشیاء یا افعال میں زہد و پاکوئی برائی ہے نہ اچھائی اور نہ عقل اس کا درجہ
 کر سکتی ہے بلکہ شریعت کے امر و نہی سے افعال حسن و قبح سمجھ جاتے ہیں یعنی
 امانت اور خیانت، اہل دین و اہل کفر، اہل ایمان و اہل کفر، اچھائی و برائی اگر شریعت خیانت
 کی اجازت دیدیتی تو وہی فعل قبیح بن جاتی مگر جو نیک شریعت نے منع
 کر دیا اس لیے محض منع کہنے کی وجہ اس میں پیدا ہو گئی۔ اسی طرح اگر شریعت امانت کو ممنوع
 قرار دیدیتی تو وہی فعل قبیح بن جاتی مگر جو نیک شریعت نے اس کا حکم دیدیا اس لئے
 محض اس حکم کی وجہ سے اس میں حسن پیدا ہو گیا۔

اب ایک زینہ اور اوپر چڑھئے۔

چونکہ کسی کام میں بالذات کوئی حسن یا قبح نہیں ہے بلکہ
چھٹا عقیدہ محض خارج کے حکم سے اس میں حسن و قبح پیدا ہو جاتا ہے
 اور شریعت محض بندوں کے لئے واجب العمل ہے اس لئے خدا ہر کام کر سکتا ہے اس
 کے لئے کوئی چیز قطعاً قبیح نہیں ہے۔ یہ بہت ہستہ باشان عقیدہ ہے اور دراصل
 ان پہلے زینوں سے اسی منزل تک پہنچتا شیخ اشعری کو مد نظر تھا۔ اگرچہ وہ بھی
 منزل مقصود نہیں ہے۔ اصل بیانیہ مقصد اس پر وہ کہہ چکے ہیں آئیے اب اگر
 ناہمدعا کا جلوہ دکھا دیا جائے۔

بندوں کے افعال کا ذمہ دار خدا کو قرار دینے پر شیعہ یہ اعتراض کرتے
 ہیں کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ خدا خود جھوٹ بولے یا بھوٹے خود بدکاری کا
 مرتکب ہو۔ خود گناہوں کی طرت اقدام کرے اور بچا پرے ضعیف و مجبور بندوں کے
 گناہوں کا انتقام لے جن کا ذمہ دار دراصل وہ خود ہے یہ تو سراسر ظلم ہے اور
 عقلاً و عقلاً قبیح ہے اس لئے خدا سے اس کا صدور ناممکن ہے۔ اس سے یہ معلوم
 ہوا کہ خدا ظالم ہے اور نہ وہ ان افعال کا ذمہ دار ہے بلکہ بندے ہی اس کے
 ذمہ دار ہیں اور نہ خدا ان پر عذاب نہ کرتا۔

اس اعتراض کی رد امام ابو حنیفہ سے بھی ممکن نہ ہو سکی۔ جیسا کہ پہلے داتا
 کے دھیلے والے واقعہ اس پر روشنی ڈال رہا ہے۔ علاوہ بریں موصوف کا امام شیعہ کاظم
 علیہ السلام کے مقابلہ میں اس مسئلہ پر سرگرمیاں ہو جانا بھی علمی دنیا میں مشہور ہے مگر
 آئریا ہے شیخ اشعری کی ذہانت پر کہ انھوں نے یہ نظریہ بکا کر لیا کہ خدا کے لئے کوئی چیز
 قبیح ہے ہی نہیں۔ اگر خدا کوئی ایسا کام کرے جس سے عقل سلیم ظلم سمجھتی ہے تو سمجھا کرے۔
 اسے آخر کچھ سمجھنے کا حق ہی کہا ہے۔

خرد کا نام تہوں پر گیا جنوں کا خسر و

جو چاہے آپ کا حسن کر شمرہ ساز کرے

یہی نہیں، اس نظریہ سے ایک اور اعتراض ختم ہو گیا اور
 ساتواں عقیدہ شیعوں کے لئے دلائل کا ایک مزید اور دروازہ بند ہو گیا یہ سچا
 رہنمائی کے غماز کے مقابلے میں اپنے معصوم ائمہ علیہم السلام کے فضائل باہرہ کو پیش
 کر کے یہ کہہ دیتے تھے کہ ایک افضل فرد کی موجودگی میں ایسے شخص کو فدیہ بنانا کیونکر جائز ہے

جو اس سے کم فضیلت رکھتا ہو یا اسے فضیلت سے کوئی دیکھ ہی نہ ہو۔ نیز منہ بول کر
 منسل پر ترجیح دینا عقلاً قبیح ہے۔ شیخ اشعر کا نے عقل کو معطل کر کے اس اعتراض سے بے
 گناہ صی کر لی۔ اور یہ عقیدہ قائم ہو گیا کہ بنی یا خلیفہ بنی کا اپنے عہد کے سب لوگوں سے منسل
 ہونا ضروری نہیں ہے غور فرمائیے کہ میں کیا عقیدہ کی نیوڈالنے کے لئے تو یہ سا کر ڈھونگ
 نہیں رہا ہے کہ میں ۵

من ارآل حسن و ذلہن و ان کر یوسف و انت و استم
 کہ عشق از پڑہ عصمت بروں اور ذریعہ را

تعلیل عقل کے اصل اغراض بیان کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس شان کا
 بھی تذکرہ کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں سب ذیل عقائد قابل بیان ہیں۔

۱۔ خدا کے فعال کسی مصلحت کے تابع نہیں ہوتے۔ کہا جاتا ہے کہ
اکھواں عقیدہ کہ کوئی مصلحت ہے کہ قدرت از دی مصلحت سے متاثر ہو جائے۔ یہ عقیدہ
 کہ کسی فعل میں کوئی ذاتی مصلحت تو ہوتی نہیں بلکہ خود فعل الہی اسے بالصلحت بنادیتا ہے۔
 یہ اعتراض کریں کہ مصلحت کا مول کا صدور عقیدہ نازیبا ہے تو اشعر کا نے انکار حسن و قبح عقلی
 پر پہلے سے لئے بیٹھے ہیں۔

اب کون سمجھا کہ مصلحت علم فواید ہی کا دوسرا نام قدرت کا علم ہے ہم آنگاہ کہ قابل اعتراض ہے
 اور اگر ہو بھی تو خدا تو حسن و قبح کی حد سے بہت پرے ہے بہر حال یہ عقیدہ عجیب و غریب ہے
 ایک اور عقیدہ جو بعثت انبیاء کو لا حاصل بنادے سکتا ہے یہ
نواں عقیدہ ہے کہ معرفت الہی واجب نہیں بلکہ محض اس
 لئے شریعت نے حکم دیا ہے۔

اب فرض کر دے کہ ایک بنی آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں خدا کا بھیجا ہوا بنی ہوں تم
 مجھ پر ایمان لاؤ۔ اس کے مخالفین کہتے ہیں کہ تم کھینچنے والے عیسائی خدا ہی کو نہیں
 پہچانتے تو اس کے پیچھے ہوئے کو کیا جانیں اور کیوں کر ایمان لائیں؟ بنی آتا ہے
 کہ اچھا خدا کیسے ہوا۔ وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ خدا کو پہچاننا ہی کونسا ضروری کام ہے
 کہ خواہ مخواہ اس کے لئے درپیش کر لیں۔ اب اگر یہی کہیں کہ وہ نہیں نہیں ایسا نہیں ہے
 بلکہ خدا کو پہچاننا بہت ہی ضروری اور سب سے زیادہ واجب کام ہے کیونکہ
 یہ بحیثیت بنی تم سے کتا ہوں اور میری لائی ہوئی شریعت اس کو واجب کر ل
 کتی ہے۔ اور مخالفین یہ کہہ دیتے ہیں کہ تم نے ابھی آپ کو بنی کب مانا کہ آپ کی لائی
 ہوئی شریعت کو مانیں اور آپ کے کہنے سے خدا کو پہچانتے کی زحمت گوارا کریں
 اور اس کے بعد حرام و حلال کی زحمتوں میں گرفتار ہوں۔ تو بنی کے پاس اس کا
 کیا جواب ہو گا؟ بنی تو جبر ہوا۔

ایک عقیدہ یہ ہے کہ خدا طاقت بشری سے بڑھ کر ہے
 دسواں عقیدہ ان حالات کی بھی تکلیف دے سکتا ہے کیونکہ قباحت
 عقلی کا سال ہی ختم ہو چکا ہے اس کے لئے کچھ بھی قبیح نہیں ہے۔ سچ
 کہا ہے کہنے والے نے یہ

maablib.com

خشت اول چوں نہ دستار رنج

ناثر یا می رود دیوار رنج

ملک عشرۃ کا

اب مضمون کے ابتدائی فقرات کے مطابق کچھ محسوسات کی

تکذیب کے متعلق کچھ کہنا چاہیے تھا۔

لیکن خیال یہ آتا ہے کہ وہ خالص علمی اور فنی مباحث ہیں اور ناظرین
 تابدانہ خشک مباحث کا مطالعہ پسند نہ فرمائیں اس لئے عنوان قلم کو روک لیا ہے
 لیکن ایک سلام کی طرف توجہ دلا دینا ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ ان تمام
 عقائد میں آپ نے یہ ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ ہر عقیدہ کا رخ خلافت کے مباحث
 کی طرف مڑ جاتا ہے اور دراصل خلافت خلفاء جو رہی وہ مجھ ہے جس پر توحید
 کے مسائل بھی گردش کر رہے ہیں۔ ان خلافتوں کو اعتراضات کی زد سے بچانے
 کے لئے توحید و نبوت کے معیار بھی ثابت کر دیئے گئے ہیں۔ اور ایک ایسا علم
 کلام ترتیب دیا گیا ہے جس میں عقل و استدلال کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے
 خلافت کے ان ہمہ گیر اثرات کو دیکھتے ہوئے رسول کی اس شہور حدیث کی
 صداقت یا کس کو شبہ ہو سکتا ہے کہ سنحات و لم یعرف امام زمانہ صحت
 میسر جاہلیت۔ امام زمانہ کو نہ پہچاننے کا نتیجہ جاہلیت کی موت ہے۔
 دراصل ہمارے لئے رعد و برقوں کے بعد والوں کے لئے امامت
 و خلافت ہی وہ دروازہ ہے جس سے ہو کر ہم خدا و رسول تک پہنچ
 سکتے ہیں اور اگر اسی دروازہ کی شناخت میں غلطی ہو گئی تو بقول
 سیدی

ترسم بہ گیسر ز سیاہی اعرانی
 کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

حسینی فند

امامیہ مشن لکھنؤ

اس فند کے معطیان کو ان کی رقم عطیہ بعد منہائی اخراجات
ڈاک دو گنی قیمت کے رسائل واقعہ کربلا سے متعلق اردو، ہندی
یا انگریزی جس زبان میں مطلوب ہوں محرم سے قبل ہی بذریعہ پوسٹ
یا رجسٹرڈ پوسٹ سے ارسال کر دیئے جاتے ہیں اور وہ خود ہی اپنے وہاں
”یوم عاشورہ“ اس لٹریچر کو برادران وطن میں مفت تقسیم کرتے ہیں اور
اس طرح ہمارے وطنی بھائی بھی کربلا کی عظیم قریانیوں اور اس کے پس منظر سے
باخبر ہو کر اسلام حقیقی سے متعارف ہو رہے ہیں۔

تمام برادران ایمانی کا فریضہ ہے کہ اس اہم دینی مقصد کے سلسلہ میں
اپنے اس مشن کی کسی ممکن امداد سے دریغ نہ کریں اور ”حسینی فند“ میں اپنے
گراں قدر عطایا سے امداد فرما کر عند اللہ وعند الرسول ماجور ہوں۔ اس فند
میں چھوٹی سے چھوٹی رقم بھی شکر یہ کے ساتھ قبول کی جاتی ہے۔

الدراسی الی الخیر

سید ابن حسین نقوی عفی عنہ

آزادی اسکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ ۳